شعورِ انسانی کے اجزاے تشکیلی: اقبال کے فہمِ قرآن کا مطالعہ

(Structural Components of Human Consciousness: A Study of *Iqbāl's* Understandings of the Quran)

*علی وقار

**ڈاکٹر علی اکبر الازہری

Abstract

This paper studies *Iqbāl,s* understandings of the Quran about the structural components of human consciousness. It argues that these are ten components: individuality, self-sufficiency, concept of not getting anything without effort, righteousness, Ego, destiny, concept of life after death, free and responsible personality, forgetfulness, obdurateness. Each part of consciousness has its own more or less effect. The last two components (forgetfulness and obdurateness) affect the first eight in different ways. This consciousness when becomes pure and clean the configuration process of *Khudī* starts. Its extreme form is where Allah asks man: "what is your will?"

Key Words: *Iqbāl*, Quran, consciousness, *Khudī*

انسانی دماغ کی ظاہری ساخت کو شعور سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، مقامِ شعور تو نہاں خانۂ دماغ یا اعضاے دماغ کے مابین قوتِ اتصال کے اندر ایک غیر معمولی استعداد ہے، جو ابتداً ناقص اور کمزور جب کہ مشق و ممارست کے بعد ارتقائی مراحل سے گزرتی ہوئی ایک قوت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور پھر نہ صرف نظامِ اتصال، بلکہ دماغ کے تمام وظائف پر اس کی چھاپ گہری ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال اس طرف توجہ دلاتے ہوئے اظہار تاسف کرتے ہیں کہ یہ پوری انسانی شخصیت کا مرکزہ (Center of Gravity) ہے مگر اسلامی تاریخ میں اس طرف کبھی سنجیدہ توجہ نہیں دی گئی۔ اقبال

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ اسلامیات، یونی ورسٹی آف لاہور

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ عربی وعلوم اسلامی، لاہور گیریژن یونی ورسٹی، لاہور

کی تحریروں سے انسانی شعور کے جو اجزا ملتے ہیں ان میں انفرادیت، خود انحصاری، برگزیدہ ہستی ہونا، خودی، جبر وقدر کا تصور، تصورِ موت وحیات، امین وذمہ دار ہستی ہونا، ایسے عناصر شامل ہیں۔ یہ عناصر اقبال کے نزدیک ان آیاتِ قرآنی سے ماخوذ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے آں جناب ﷺ کو نبوت وقرابت کے لیے منتخب کرنے اور راہ دکھانے 2، فرشتوں سے زمین میں اپنا نائب بنانے[3]، آزمایش کے لیے ایک کو دوسرے پر درجہ دینے[4]، انسان کے آسمان وزمین سے بھی نہ اٹھائی جا سکنے والی امانت کے اٹھا لینے[5]، وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ان آیات کے انتخاب کے پیچھے غالباً اقبال کے وہ خاص تصورات کارفرما تھے، جو ان آیات کے مزاج سے واضح ہیں۔ اگر ان آیات کے مرکزی نقطے کی بات کی جائے تو وہ ایک ہی ہے، مگر ہر دوسری آیت پہلی آیت کے ارتقا وتدریجی ارتفاع کا بیان ہے۔ ان آیات میں سے ہر ایک سے اقبال نے کچھ اجزائے شعور مستنبط کیے، مگر تیسری آیت میں اجزا کا اجمال بیان ہو رہا ہے۔ یعنی شعور ہی وہ نعمت ہے جس کی بنیاد پر رفع درجات بھی حاصل ہوتا ہے، خلافتِ ارضی کی اہلیت بھی، اور یہی شعور وہ شے ہے جو اللہ نے بالخصوص عطا فرمائی ہے، "فی ما اٰتکم" کے الفاظ سے اغلباً یہی مراد ہے۔ آیات کے مزاج اور نوعیت کی بات کی جائے تو جابجا دو مزید اجزا بھی مستنبط ہوتے ہیں، جو اقبال نے نہیں لیے، ان کے بغیر شعور کا کامل تصورِ خیر وشر کھل کر سامنے نہیں آتا۔ وہ دو اجزا ہیں: نسیان اور مادۂ سرکشی، جو دوسری اور چوتھی آیت سے واضح اور عیاں ہیں۔ اب کل اجزا جن سے انسانی شعور تشکیل پاتا ہے، دس ہوئے: 1۔انفرادیت 2۔خود انحصاری 3۔کوشش کے بغیر کچھ نہ ملنے کا تصور 4۔برگزیدہ ہستی 5۔خودی (انا) 6۔جبر وقدر کا تصور 7۔حیات بعد الموت کا تصور 8۔آزاد مگر ذمہ دار شخصیت 9۔ نسیان 10۔ سرکشی[6]

انسانی شخصیت کی تین فیصلہ ساز قوتیں

یہ دس اجزا خاص ترکیب پر اور خاص طریقے سے ملتے ہیں تو شعور تشکیل پاتا ہے۔ شعور کے کُل میں یہ اس طرح خلط ملط ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر جزو کی بالقوہ استعداد شعور کے لازمہ کے طور پر موجود رہتی ہے، مگر کسی جزو کا الگ تھلگ اور انفرادی وجود قائم نہیں رہتا۔ شعور کا اس طور تشکیل پانا من حیثیت الکل ودیعت شدہ استعدادِ نفسی و قلبی اور عناصر اربعہ کی خاص ترکیب کے مطابق ہوتا ہے۔ عناصرِ اربعہ کی ترکیب مزاج کے اختلافات متعین کرتی ہے، جب کہ شعوری سطح کے اختلافات یا ارتفاعات بھی اسی کی مطابقت سے ترتیب پاتے ہیں۔ اصولی طور پر یوں سمجھ لینا چاہیے کہ عناصر

---

[2] طٰہٰ20: 122۔

[3] البقرۃ2: 30۔

[4] الانعام6 : 165۔

[5] الاحزاب33 : 72۔

[6] ماخوذ از تشکیل جدید باب سوم مع اضافہ جات

اربعہ (آگ، پانی، مٹی، ہوا) جن سے انسانی جسم تشکیل پاتا ہے، شعور جو اجزائے عشرہ (مذکورہ دس اجزا) سے تشکیل پاتا ہے اور روح جو اجزائے ثلاثہ [7] سے تشکیل پاتی ہے، انسان کی شخصیت کے جملہ میلانات اور رجحانات کو متعین کرنے میں فیصلہ ساز قوتیں ہیں۔ گویا انھی تین کی حقیقت کے پردے میں تمام حقائقِ نفسی، روحی، شعوری اور عقلی موجود ہیں۔ یہ تمام اجزا مل کر جب کُل کی شکل اختیار کرتے ہیں تو آفاقی قانونِ حرکت کے تحت یہ کُل حرکت کرتا ہے اور مقاصد کے حصول کے لئے سرگرم ہوتا ہے، کیونکہ یہی حرکت اور مقاصد کا حصول، مسائل کی تفہیم و تمیز ہی اس کی وجہِ تشکیل بنتی ہے۔ یہ کُل ایک شعوری قوت کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور شخصیت کی ساخت پرداخت کی درستی اور افکار و نظریات کی نوک پلک سنوارنے میں فیصلہ ساز حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ تشکیل شدہ یہی شعور شخصیتیں ترتیب دیتا ہے، مزاج متعین کرتا ہے، میلانات طے کرتا ہے، رجحانات تخلیق کرتا ہے۔ طبقات العباد کی اصولی تقسیم یہاں سے ہونا قرار پاتی ہے۔یہی شعور جب تمام مدارج و منازل طے کرکے مصفّٰی و منزہ ہو جائے تو خودی کی تشکیل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔اس کی انتہائی صورت "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے" کی صورت میں متشکل ہوتی ہے۔ شعوری کُل کا ہر جز کم یا زیادہ اپنا اثر رکھتا ہے, اور آخری دو اجزا (نسیان اور سرکشی) پہلے آٹھوں پر مختلف انداز اور کیفیات میں اثر انداز ہوتے ہیں۔

نسیان اور سرکشی کی دیگر اجزائے شعور پر اثر اندازی

نسیان جب انفرادیت پر اثر انداز ہوتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اگر مثبت جانب اثر انداز ہو تو انفرادیت کی شعوری صفت پر نسیان کی صفت حاوی ہو جاتی ہے اور نتیجتاً شخصیت میں عاجزی پیدا ہوتی ہے، جو مزاج اور اخلاق سے جھلکتی ہے۔ اگر یہی نسیان کی قوت منفی جانب اثر انداز ہو تو انسان کا ذہن انفرادیت کے باب میں حد سے تجاوز کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ خود پسند ہو جاتا اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔اسی صفتِ انفرادیت پر جب سرکشی کا مادہ مثبت جانب اثر انداز ہو تو انفرادیت اس حد تک معدوم ہو جاتی ہے کہ انسان وجد وجذب وجنوں تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ حال ہر ایک کا مختلف ہوتا ہے، جس میں باقی اجزا کا کردار اس کی کیفیت کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔انفرادیت کے مادے پر جب سرکشی منفی جانب اثر انداز ہوتی ہے تو انسان متکبر بن جاتا ہے۔ اس کی پوری شخصیت اس کی ذات اور "میں" کے گرد گھومتی ہے۔ مذکورہ آیات میں سے آخری آیت میں اسی نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ پھر نسیان اور سرکشی "خود انحصاری" پر خاص انداز سے اثر ڈالتے ہیں۔ نسیان "خود انحصاری" کی بالقوہ صلاحیت جو ودیعت شدہ ہے، پر مثبت جانب یہ اثر ڈالتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ خود انحصاری کا درس دیتا ہے۔ بعض ایسے معاملات جن میں

[7] ان اجزائے ثلاثہ کی تفصیل شاہ ولی اللہ نے "**الطاف القدس فی معرفة النفس**" کے پہلے باب میں بیان کی ہے، جس کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔

انسان شرعی اجازات کے مطابق دوسروں سے مدد لے سکتا ہے، اس سے بھی احتراز کرتا ہے، نسیان کا منفی جانب عمل یہ ہوتا ہے شخصیت میں خود انحصاری کا تصور ضرورت سے زیادہ کمزور ہو جاتا ہے اور نتیجہ پہلے کے برعکس آتا۔ اب انسان بہت سے ایسے معاملات جن میں دوسروں سے مدد لینا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی کے درجہ میں آتا ہے، اس سے بھی احتراز نہیں کرتا۔ پھر مادۂ خود انحصاری پر "سرکشی" حملہ آور ہوتی ہے۔ سرکشی کے مزاج میں شدت نسیان کی نسبت کئی گنا ہے، للٰذا اس کا اثر بھی اتنا ہی شدید ہوگا۔ مثبت جانب سرکشی "خود انحصاری" پر یہ عمل کرتی ہے کہ اس کو بلا کا متکبر بنا دیتی ہے، وہ ہر چیز کو اپنی محنت کا صلہ سمجھتا ہے اور توکل، دعا کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ حقیقی طور پر ان کی مؤثریت کا منکر ہو چکا ہوتا ہے۔ ہر کامیابی اسے اپنی صلاحیتوں کا صلہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ قسم فکری الحاد کی طرف بھی بڑھ سکتی ہے۔ ایسے طبقات کی نظر اسباب پر خوب ہوتی ہے لیکن مسبّب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

خود انحصاری پر سرکشی جب منفی سمت میں عمل کرتی ہے تو اس سے بھی تباہ کن نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ منفی جانب اس کا عمل یہ ہوتا ہے کہ انسان کی غیرت مر جاتی ہے اور اس کی کل متاع دوسروں پر انحصار کرنا ہوتی ہے۔ یہ چیز ایسی شخصیت تشکیل دیتی ہے جو ہر وقت اور ہر معاملے میں دوسروں کی دست نگر ہوتی ہے اور ہر وقت بخشش کی منتظر کہ کہیں سے کچھ مل جائے۔ خدانخواستہ یہ نفسیات اگر پختہ ہو جائے اور اس پر بر وقت قابو نہ پایا جائے تو انسان اپنی غیرت دوسروں کے ہاں رکھوا دیتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے کھری بات کرنے کے قابل نہیں رہتا، اس کے اندر سے غیر جانب داری ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے انسانوں کا اوڑھنا بچھونا مال ہوتا ہے۔ یہ ہر وقت رونے دھونے اور خود کو مظلوم ثابت کرنے کے درپے ہوتے ہیں تاکہ بخشش کے دروازے کھلیں اور لوگ ان کو غریب، مسکین اور تنگ دست سمجھ کر ان سے ہمدردی کریں۔ اس شعر میں انہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

آزاد کی دولت دلِ روشن، نفسِ گرم　　محکوم کا سرمایہ، فقط دیدۂ نم ناک[8]

کوشش کے بغیر کچھ نہ ملنے کا تصور

اس کے بعد اجزاے شعور میں سے تیسرا جزو "کوشش کے بغیر کچھ نہ ملنے کا تصور" متحرک ہوتا ہے۔ اس کو شعورِ انسانی میں قانونِ حرکت کا ضامن کہنے میں ہم حق بجانب ہوں گے۔ اس کو دورانِ گفت گو تحدیدِ لفظی کے ساتھ "شعور کے حرکی جزو" سے تعبیر کیا جائے گا۔ احساسِ زیاں جو حیاتِ نفسی کا ثمر آور عقیدہ ہے، اسی شعور کے حرکی جزو کا مرہون منت ہے۔ اس کا کام انسان کو مسلسل آگے بڑھنے کے لئے مستعد رکھنا ہے۔ اعمالِ نفسی کی فعالیت، جس پر اعمال کی کارکردگی منحصر ہے، اسی جزو کا کام ہے۔ اگر اس کو کاملاً حرکت میں نہ لایا جارہا ہو تو یہ ہیجانی نفسی کیفیت، جس کو احساسِ زیاں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، پیدا کر دیتا ہے۔ زیاں کا یہ احساس جب دوسرے اجزاے شعور کو منتقل ہوتا ہے تو ان میں ایک غیر معمولی ارتعاش پیدا کرتا ہے۔ یہ اس وقت تک کارآمد ہوتا ہے، جب تک اس کی طرف سے وصول ہونے والے سگنل پر

---

[8] کلیات اقبال اردو، ارمغان حجاز (لاہور: اقبال اکادمی، 2018)، 744۔

پورا شعوری نظام اور بعدازاں پورا اعصابی نظام متحرک ہو جائے۔ اگر اس کی بار بار حرکت کو دیگر اجزائے شعور و اعصاب قبول کرکے مناسب ردِ عمل نہ دیں تو اگلی بار اس ارتعاش کی کیفیت میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے اور مسلسل غفلت بالآخر اس صلاحیت کو اتنا کمزور کر دیتی ہے کہ اس کا عدم اور وجود برابر ہو جاتا ہے۔ اس قوت پر بھی نسیان اور سرکشی اثر انداز ہوتے ہیں۔ نسیان قوتِ حرکی پر مثبت جانب عمل کرتا ہے تو انسان کی شخصیت ذمہ دار قرار پاتی ہے۔ اس کی توجہ حرکت اور مسلسل حرکت پر ہوتی ہے۔ جہدِ مسلسل اس کی شخصیت کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ اقبال نے اس جہدِ مسلسل کو ذوقِ پرواز بھی کہا اور اسی کو زندگی کی اصل حقیقت قرار دیا۔ اور اس کے برعکس سکوت و غفلت کو فریب نظر قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات　　تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود　　کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو، راز ہے زندگی!　　فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی[9]

اسی تصور کو ایک اور جگہ یوں بیان کیا:

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر　　فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر[10]

نسیان شعور کے حرکی جزو پر منفی جانب عمل کرتا ہے تو نتیجتاً شخصیت پر کئی حجابات آ جاتے ہیں۔ انسانیت کا جوہر اصلی غفلت میں ڈوب جاتا ہے۔ انسان کچھ کیے بغیر معجزہ کی امید میں عمریں گنوا دیتا ہے۔ اگر کبھی قوت حرکی احساس زیاں دلائے بھی تو غفلت اور حجابات عمل اور جدوجہد کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ غفلت کے بعد پھر غفلت اور اس کے بعد پھر غفلت کی صورت میں نکلتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس وجدانی کیفیت اور فطرت انسانی کے ظہور میں تین چیزیں مانع ہوتی ہیں جن کو حجب (جمع حجابات) سے تعبیر کرتے ہیں: پہلا حجاب طبیعت کا ہے، دوسرا حجاب رسم کا ہے، تیسرا حجاب جہل (عدم معرفت یا سوءِ معرفت) کا ہے۔[11] حجاب طبیعت کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ انسان بقائے جان اور حفظِ نفس کے ساتھ ساتھ پیدایش و افزایشِ نسل اور حفظ نوع کے لئے بالطبع کھانے پینے اور صنفی تعلق وغیرہ پیدا کرنے کی خواہش رکھتا ہے، جس کے نتیجے میں عموماً نفس انسانی انھی خواہشات کے تابع ہو کر رہتا ہے اور ان اعمال کی محبت اپنی سرشت میں مضمر و پوشیدہ رکھ کر اپنی اصل خصوصی فطرت جس میں لاہوت کی طرف توجہ اہم عنصر ہے، کو بالکل بھول جاتا ہے۔ وہ حلال و حرام کی احتیاطوں سے قطع نظر اپنی خواہشاتِ نفسانی اور مقتضیاتِ طبیعت کو پورا کرکے رہتا ہے۔ ایسے شخص کے حق میں یہ کہا جائے گا کہ معرفتِ خداوندی اور فطرتِ انسانی کی تحصیل و تکمیل کی راہ میں حجابِ طبیعت مانع اور سنگ راہ ثابت ہوا۔ تم جانتے ہو کہ طبیعت (کے عنصر) کو دل و دماغ پر حیرت انگیز تسلط حاصل ہے

---

[9] کلیات اقبال اردو، بال جبریل (لاہور: اقبال اکادمی، 2018)، 454۔

[10] کلیات اقبال اردو، ضرب کلیم (لاہور: اقبال اکادمی، 2018)، 621۔

[11] شاہ ولی اللہ، مترجم: ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، البدور البازغہ، 290۔

اور جب بھی خواہشاتِ نفسانی اور مقتضیاتِ طبیعت غالب آجاتے ہیں تو دل و دماغ شیوہ تسلیم و رضا اختیار کر لیتے ہیں۔[12] دوسرا احجاب رسم و رواج کا ہے۔ رسم و رواج اصلاً بُرے نہیں، لیکن اگر یہ اسراف و تبذیر اور فضولیات کی قبیل سے ہوں تو شخصیات کے جملہ پہلوؤں، خاص طور پر حیاتِ شعوری پر لازماً اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ تخلیقی قوت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں اور تکرار بغیر تخلیق پر منتج ہوتے ہیں۔ بے جا رسوم و رواج کی غیر معمولی پابندی کلیات شعوری کو متاثر کرتی ہے۔ تیسرا احجاب جہل کا ہے جو حقیقت مطلقہ (ذاتِ باری تعالیٰ) کی نسبت ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک معاشروں میں سوءِ معرفتِ خداوندی کی کئی شکلیں پائی جاتی ہیں، جن کا عملی اظہار کفر و شرک کے مظاہر کی صورت میں ہوتا ہے۔ شعور کے اس حرکی جزو پر سرکشی بھی عمل کرتی ہے۔ یہ مثبت سمت میں عمل کرے تو کوشش اور جدوجہد کی راہ میں انسان بعض اوقات حدِ اعتدال سے گزر کر خبطی بن جاتا ہے اور جسمانی استعدادوں کی حدود و قیود کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے عجلت پسند واقع ہوتا ہے، جس کا نتیجہ نقصان کی صورت ہی نکلتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے عبادات، معاملات اور دیگر امور میں جو اعتدال کا حکم دیا وہ اسی قبیل سے ہے۔ آپ ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم زیر بحث موضوع کے حوالے سے اہم ہے۔ آپ ﷺ کسی کو کسی بھی معاملے میں غیر ضروری شدت اختیار کرتے دیکھتے تو فرماتے کہ تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ تمھارے اہل و عیال کا بھی تم پر بھی حق ہے۔ ان احکام کے پیچھے انھی نفسی کیفیات کا رد اور ان کو حدِاعتدال میں لانا مقصود تھا۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے راتوں کے طویل اور مسلسل قیام کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے انھیں منع فرمایا اور اعتدال میں رہ کر عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اس صحابی کی کیفیت، حیاتِ شعوری کے زیر بحث باب سے متعلق معلوم ہوتی ہے اور اس کے نقصان دہ ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور اس کو ناپسند فرمایا۔ مستزاد یہ کہ اس عمل کے مد مقابل اپنے مبارک عمل کو پیش فرمایا، جو اس سے یکسر مختلف تھا۔ یوں آپ ﷺ نے نفسیاتی، شعوری نقصان کے ساتھ ساتھ شرعی نقصان کی وضاحت بھی فرمادی۔ سرکشی جب شعور کے حرکی جزو پر منفی جانب عمل کرتی ہے تو اس کو حد درجے کا کاہل، سست، نکما اور بہانے باز بنادیتی ہے۔ یہ شخص معجزے کے انتظار میں بھی نہیں رہتا بلکہ اپنی حالت پر راضی رہتا ہے۔ یہ راضی ہونا رضا و تسلیم کے قبیل سے نہیں بلکہ فکری و ذہنی پس ماندگی کے قبیل سے ہے۔ ایسے افراد معاشروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ یہ نہ کبھی جہد مسلسل کا حصہ بنتے ہیں نہ کسی معاملے میں پختہ رائے رکھتے ہیں۔ انھی کے لئے شاید یہ معقولہ وضع کیا گیا ہے کہ "العوام کالانعام"۔

برگزیدہ ہستی کا تصور

چوتھے نمبر پر شعور کا جو جزو آتا ہے وہ نہایت اہم ہے یعنی "برگزیدہ ہستی کا تصور۔" یہ شعورِ انسانی میں ایسا داعیہ بیدار کرتا ہے جس سے انسان میں خود احترامی (Self Respect) کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے یہ اہم ترین جزو ہے کہ

---

[12] شاہ ولی اللہ، مترجم: ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، البدور البازغہ، 290، 291۔

اس بر گزیدگی کی حفاظت اور بقاکے لیے انسان بہت سارے خطرات مول لینے، بہت سے ناممکنات کو ممکن بنانے کے لئے آمادہ رہتا ہے۔ بہت سے اخلاقی صالحات جو انسان کے عمل سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، اسی داعیے کا نتیجہ ہیں۔ یہ خود احترامی جب رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہونا قرار پاتی ہے، تو انسان متقی اور پرہیزگار بن جاتا ہے اور انسانوں کی نسبت ہونا قرار پاتی ہے، تو اخلاق حسنہ اور شگفتہ بیانی کی صورت میں مترشح ہوتی ہے۔ بہر حال یہ انسانی شخصیت کا ایک جوہر ہے۔ یہ جزو شعور اور خودی کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ حدود قیود میں پروان چڑھتا رہے، تو باقی اجزا پر حاوی ہو کے سب میں احساسِ بزرگی پیدا کرتا ہے جس کا نتیجہ کئی ارتقائی مراحل سے گزر کر تشکیل خودی کی صورت میں مرتب ہوتا ہے۔ یہی اقبال کے فلسفہ خودی کی کلید ہے۔ بر گزیدگی کے جزو پر نسیان و سرکشی دونوں اثر انداز ہوتے ہیں اور بسا اوقات نتیجہ تباہ کن نکلتا ہے۔ بر گزیدگی کے جزو پر نسیان مثبت جانب یہ عمل کرتا ہے کہ انسان اپنا احترام جائز حدود میں کرانا چاہتا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر رد عمل بھی ظاہر کرتا ہے، جب کہ نسیان کا منفی جانب عمل یہ ہے کہ فرد کا احترامِ ذات جاتا رہتا ہے اور وہ اس بات کو خاطر میں نہیں لاتا کہ اس کی عزت کی جا رہی ہے یا نہیں۔ ایسے انسان کی بے عزتی کرنے سے اس کی طرف سے کوئی بڑا رد عمل ظاہر نہیں ہوتا البتہ معمولی خفگی کا اظہار ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں بنیادی تبدیلی محرک سرکشی لاتا ہے۔ جزو بر گزیدگی پر یہ مثبت جانب یہ عمل کرتا ہے کہ انسان انتہائی درجے کا خود پسند، خود پرست، خود سر اور متکبر بن جاتا ہے، خود کو خدا سمجھنے لگتا ہے اور باقی سب کو اپنی نسبت حقیر اور کم تر۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے بدبخت ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ دوسروں کو خود سے کم تر سمجھے۔ خود میں اس صفت کو تصور کرے جو ذات باری تعالیٰ کے سوا کسی کو زیبا نہیں، یعنی تکبر۔ یہ محرک جب منفی سمت میں اثر انداز ہوتا ہے تو انسان کو ذلیل و رسوا کرا دیتا ہے۔ مگر اس ذلت کے باوجود اسے احساسِ ذلت ہی نہیں ہوتا۔ اس کی ذات سے خود احترامی کا مادہ گویا معدوم ہو جاتا ہے۔ وہ خود کو گھٹیا حقیر اور ہر ایک سے کم تر سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے مقدر میں یہ ذلت اور پستی لکھی گئی ہے جو کبھی کسی طور نہیں ٹل سکتی۔ لہٰذا عقل مندی اس حالت سے سمجھوتہ کرنے میں ہے۔ تاریخ میں ایسی نفسیات کا جابجا اظہار ہوتا رہا۔ اس صورت کا مہذب ترین اظہار تاریخ اسلامی میں ملامتیہ فرقے کی صورت میں بھی ہوا۔ ان کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ ایسے اعمال و حرکات کی جائیں جس سے لوگ آپ کو گھٹیا اور گنہگار تصور کریں۔ یہ گویا فکری و نظری اشتباہ تھا۔ ہمارے زیر بحث عملی حیات ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کے ہاتھوں اپنی توہین کرانے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتے۔ یہ شعوری حالت اسلام جیسے دین کے پیروکار کے دامن پر دھبہ ہے۔ جو مذہب انسان کی اتنی تکریم کرتا ہے کہ باجماعت نماز کو پانے کے لئے دوڑنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اس سے شخصیت مجروح ہونے کا امکان ہے تو ایسا مذہب ایسی شعوری کیفیت کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ اسی فکر کا اقبال نے حضور الٰہی میں شکوہ کیا:

لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے　　جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضا مند![13]

خودی (انا)

شعور کا اگلا زیر بحث جزو خودی (انا) ہے۔ اس سے متعلق ایک وضاحت درکار ہے کہ اس خودی سے اقبال کا معروف فلسفہ خودی مراد نہ لے لیا جائے، مگر یہ انا (Ego) کے معنیٰ میں ایک ابتدائی صورت ہے، جو شعور کی کلیت میں بطور جزو کار فرما ہوتی ہے۔ جہاں تک اقبال کے فلسفہ خودی کا تعلق ہے، وہی تو اصلاً زیر بحث ہے۔ شعورِ انسانی، جس کے اجزا پر ہم بحث کر رہے ہیں، یہ شعور بحیثیت کل کئی تدریجی مراحل سے گزر کر شعور کی جس آخری اور کامل ترین شکل میں متشکل ہوگا وہی ماحصل اقبال کی خودی ہے۔ لہٰذا ان اجزا کو شعورِ انسانی کے تشکیلی اجزا بھی کہہ سکتے ہیں اور "خودی کے تشکیلی اجزا" بھی۔ یہ دراصل ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں، لہٰذا اس فکری التباس سے بچنے کے لئے گفت گو میں لفظ "انا" ہی استعمال کیا جائے گا۔

بنظر غائر دیکھا جائے تو "انا" میں انفرادیت، خود انحصاری اور برگزیدگی کا مفہوم پہلے سے ہی داخل معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ "انا" کئی ذیلی اجزا سے تشکیل پاتی ہے، بلکہ یہ جزو واحد ہے جو باقی اجزا کی طرح اپنی الگ کثیر الجہاتی موثریت رکھتا ہے۔ اس حد تک تو اس کی منفرد حقیقت کا بیان ممکن ہے، مگر جب اس پر نسیان و سرکشی عمل کریں گے تو اس سے واقع ہونے والی نفسیاتی کیفیات کو انفرادیت سے انہی دو اجزا سے مرتب ہونے والی کیفیات، خود انحصاری پر انھی کے مرتب ہونے سے جنم لینے والی کیفیات اور برگزیدگی پر انھی دو کے اثر انداز ہونے سے مرتب ہونے والی کیفیات کے درمیان کماحقہ امتیاز ایسی چیز ہے، جو اصلاً بیان سے باہر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے درمیان کوئی حقیقی امتیاز ہی نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ امتیاز اتنا عمیق، دقیق اور گہرائی والا ہے کہ اس کے اور مذکورہ اجزا کے نتائج کے درمیان فرق سرحد تفہیم میں تو آتا ہے، مگر قیدِ بیان سے باہر ہے۔ "انا" پر نسیان اور سرکشی سے مرتب ہونے والے اثرات عوام کے نزدیک بعض اوقات انفرادیت، خود انحصاری اور برگزیدیت پر مرتب ہونے والے اثرات سے زیادہ مختلف نہیں۔ لہٰذا انہی کے اثرات کو قیاس کرکے "انا" کے اثرات سمجھے جا سکتے ہیں۔

جبر وقدر کا تصور جو علامہ اقبال نے جزوِ شعور کے طور پر بیان کیا ہے، اس سے ہمیں اتفاق نہیں۔ شعور کی ماہیت پر غور کیا جائے اور طویل و گہرا غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جبر وقدر کا تصور جزو شعور نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ اقبال نے اجزائے شعور کے استنباط و استخراج کے لیے جن آیات کا سہارا لیا ہے، ان میں سے کس آیت سے جبر وقد مستنبط کیا ہے یہ واضح نہیں۔ اگر اس کو جزو شعور مان لیا جائے تو دیگر اجزا کی آزاد فعالیت بڑی حد تک متاثر ہو گی اور شعور اس معیار پر پورا نہیں اتر سکے گا کہ اس کے حامل انسان کو کاملاً بااختیار تصور کرکے اختیار کے سوءِ استعمال کے نتیجے میں اس کو جہنم رسید کیا جائے۔ ماضی میں اسی فکر نے جبریہ اور قدریہ کو جنم دیا تھا۔ ہمارے نزدیک شعور جب تشکیل پا جاتا ہے

---

[13] کلیات اقبال اردو، ضرب کلیم، 535۔

تب اس پر تقدیر کو ایک اٹل فیصلہ کے طور پر مسلط کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل عقل اور مستشرقین اسلام کے جتنے مسلمات کو بھی تسلیم کریں، تقدیر کو نہیں جانتے۔ اس کی وجہ تقدیر کی حقیقت اور عقل و شعور کی ماہیت و مزاج میں بُعد ہے۔ اس کا اثبات خود اقبال کے اشعار سے بھی ہوتا ہے۔ تقدیر کو جزو شعور نہ ماننے کے حوالے سے ان کے بہت سارے اشعار سے روشنی ملتی ہے۔ تقدیر پر آپ کے تمام اشعار کا احاطہ کر لیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس بابت آپ کا اصل نظریہ کیا تھا۔! ہم مثال کے طور پر ایک شعر پیش کر دیتے ہیں جو ضرب کلیم میں "تقدیر" ہی کے عنوان کے تحت موجود ہے:

نااہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت ہے خوار زمانے میں کبھی جوہرِ ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں تقدیر نہیں تابع منطق نظر آتی[14]

شعور کا کل عمل منطق ہے۔ یہاں منطق سے مراد فنی علم منطق نہیں بلکہ ہر وہ عمل اور کام ہے، جو سادہ طریقے سے عقل و فہم میں آجائے۔ اقبال کا کہنا ہے کہ تقدیر منطق کی نصِ فکری کے تابع نہیں، بلکہ ایک الگ حقیقت ہے۔ اگر تابع بھی نہیں اور حقیقت بھی الگ ہے تو جزو ہونا بھی محال ہوا۔

حیاتِ بعد الموت

شعور کا اگلا جزو "حیات بعد الموت" ہے۔ یہ تصور شعور کو دائمیت، استمرار، مداومت، ہیشگی اور عدم اختتام جیسے داعیات سے جلا بخشتا ہے۔ شعور کا یہ جزو اعلان ہے کہ حقیقتِ انسان فانی نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ درست راستے پر چلے۔ اقبال نے جب حیات بعد الموت کے تصور پر خامہ فرسائی کی تو ابتدائی طور پر تو تعجب کا اظہار کیا اور بعد ازاں مسلم فلاسفہ کی طرف سے حیات بعد الموت کے اثبات میں مابعد الطبیعی دلائل دینے پر شدید تنقید کی۔ اس تنقید کا خاص طور پر علامہ ابن رشد نشانہ بنے۔ تعجب اس بات پر کہ یہ جدید دنیا جو ہر لمحہ آگے بڑھنے کی دعوے دار ہے اور قدیم ماورائی اور غیر مادی تصورات کو دقیانوسی سمجھنے میں پیش پیش ہے۔ حیات بعد الموت پیچیدہ ترین ماورائی تصورات میں سے ایک قدیم ترین اسلامی تصور ہے۔ جو حضرت آدم سے لے کر نزول قرآن تک ہر شریعت میں لازمی عقیدہ کے طور پر کارفرما رہا۔ اس قاعدہ کے تحت تو مغربی دنیا اور مغرب سے متاثر افراد کو اس تصور کی طرف توجہ نہ دینی چاہیے تھی مگر بقول اقبال:

> عصر حاضر کو اس مسئلے سے جو گہرا شغف ہے اس کی مثال کسی دوسرے زمانے سے شاید ہی ملے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مادیت حاضرہ کی فتوحات کے باوجود اس موضوع میں تصنیف پر تصنیف شائع ہو رہی ہے۔[15]

---

[14] کلیات اقبال اردو، ضرب کلیم، 536۔

دوسرا پہلو تنقید کا ہے۔ علامہ کی تنقید کی وجہ صاف ہے کہ اس مسئلے کے ثبوت کے لیے مخاطب جدید مغربی ذہن ہے نہ کہ دینی و مذہبی طبقات جن کا ماورائی تصورات پر پختہ یقین ہے۔ خلط مبحث یوں کیا گیا کہ جو پہلے سے اس مسئلے کے قائلین ہیں اور مابعدالطبیعات پر گہرا یقین رکھتے ہیں، وہ تو اصلاً خارج از بحث ہونے چاہییں تھے اور مطمح نظر ان کو قائل کرنا ہونا چاہیے تھا، جو اس تصور کے منکرین ہیں، اور وہ ملحد اور غیر مذہبی طبقات ہیں جو مابعدالطبیعات کے اصلاً منکر ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے یہ زیادہ مناسب ہوتا کہ طبیعی بنیادوں پر اس مابعد الطبیعات تصور کو قائم کیا جاتا، تاکہ جن کی ضرورت تھی ان حجت قائم ہوتی۔ مگر ابن رشد جیسا ذہین آدمی بھی اس مسئلے کے ثبوت میں ماورائی دلائل پر اکتفا کر گیا، یہ ہے اقبال کی تنقید کی وجہ۔ دلائل کی ماہیت پر عمومی تنقید کے بعد اقبال ان دلائل کی نوعیت اور ان کے داخلی اجزاء پر بھی بات کرتے ہیں۔ ان کے مطابق حیات بعد الموت کے اثبات میں عام طور پر پیش کیے جانے والے دلائل کی نوعیت بہ حیثیتِ مجموعی اخلاقی ہے۔ (اقبال کی گفت گو کا خلاصہ یہ ہے کہ جدید دور میں اس قدیم مسئلے کی طرف ایک نئے انداز سے توجہ دی گئی ہے اور وہ یہ کہ) یہ بات ایک شعوری کلیہ (اصول) ہے کہ عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کا ایک نہ ایک دن پورا ہونا بہر حال لازم ہے۔ عقل کو اس بات سے اطمینان نہیں ملتا کہ ایک شخص مسلسل نیکیاں کرے، محنت کرے اور وہ بدبخت اور تنگ ٹھہرے۔ یہ حالت عارضی اور ابتدائی طور پر تو ہو سکتی ہے لیکن اس پر ہمیشگی علم منطق اور عقلیات کی روح سے زبردست متصادم ہے۔ دوسری طرف معاشرتی حقیقت یہ ہے کہ ہم بہت سارے لوگوں کو ساری عمر محنت کرتے اور صالحات کا پابند دیکھتے ہیں، اس کے باوجود وہ نہ رائے عامہ میں صالح ٹھہرتے ہیں اور نہ معاشی حالت بہتر ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی موت اگر حقیقی معنی میں موت تصور کر لی جائے تو پھر عدل اور انصاف کے قیام اور مؤثریت کا عالمگیر اصول زیر زمین دفن ہو جاتا ہے۔ پس ان طبقات کو ان کی محنتوں اور صالحات کا حقیقی اجر، جو کہ حیات ظاہری میں نہ مل سکا، دینے کے لئے ایک اور عالم فرض کیا جائے گا، جس میں عمل کرنے کی گنجایش تو نہ ہو مگر اس کو اعمال سابقہ کے نتائج مرتب کرنے کا دور کہا جائے۔ یوں حیات بعد الموت کا اثبات بطور جزوِ حیات و تسلسلِ حیات لازمی ٹھہرتا ہے۔[16] اقبال کے مذکورہ تصور کے پیچھے غالباً احادیث کا وہ ذخیرہ ہو گا جو رزق حلال عین عبادت اور کسب معاش کے فضائل وغیرہ کے واضح بیانات پر مشتمل ہے، اگرچہ وہ ان کا ذکر نہیں کرتے۔ مظلوم کے بدلے اور اعمال کی جزاو سزا کے مذہبی تصورات کے نتائج کے لئے حیات بعد الموت لازمی ہے۔ اس کے بعد اقبال حیات بعد الموت کے اثبات میں نطشے کے عقیدہ رجعت ابدی کو ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اسی زمانے میں "ہربرٹ "اور "اسپنسر "کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک ان دو عظیم دماغوں میں حیات بعد الموت کا تصور آنا اس عقیدہ کی اندرونی قوت ہے نہ کہ

---

[15] تشکیل جدید، 171

[16] تشکیل جدید، 178۔

نظریہ کی منطقی صحت۔ اقبال کا کہنا ہے کہ ایسے تصورات سے متعلق جو نظریات قائم کئے جاتے ہیں یہ فیضان باطن کی بنا پر ہیں، مابعد الطبیعی غور وفکر کے زور پر نہیں۔ یہی بات شاہ ولی اللہ نے فرمائی ہے کہ ہر نئے تصور یا کسی بھی قدیمی مگر حقیقی تصور کا اذہان میں اجرا، ان ارواح یا اذہان پر ملا اعلیٰ کا فیضان ہے، محض غور وفکر کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ غور وفکر کی صلاحیت از خود ایک فیضان ہے جو خاص اذہان پر ان میں موجود بالقوہ استعدادوں کو بالفعل لانے کے لیے کیا جاتا ہے۔[17] اس سارے تصور کو قائم کرکے اقبال قرآن مجید کی وہ آیات بطور دلیل لاتے ہیں جن کے مطابق جب کسی آدمی کی موت آئے گی تو وہ کہے گا ہے کہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو میں نیک عمل کروں گا، لیکن ایس انہیں ہو سکتا۔ ان کے آگے اس دن ایک پردہ حائل ہوگا، جس دن اٹھائے جائیں گے؛ [18] کیا انسان کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم، ہم نے تمھارے درمیان موت کو مقرر کر دیا ہے؛[19] ہم نے ہر انسان کا نوشتہ اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے اور یہ نامہ اعمال ہم قیامت کے دن نکالیں گے، جسے وہ اپنے سامنے پائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنے نامہ اعمال پڑھ آج تو خود ہی اپنے حساب کے لیے کافی ہے؛[20] کیا اِنسان یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے بے کار (بغیر حساب وکتاب کے) چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو ٹپکا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ ایک معلق وجود بن گیا، پھر اُس نے پیدا فرمایا، پھر اس نے درست کیا، پھر یہ کہ اس نے اسی نطفہ ہی کے ذریعہ دو قسمیں بنائیں: مرد اور عورت۔ تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو پھر سے زندہ کر دے۔[21]

اب ہم حیات بعد الموت کے شعور کے جزو ہونے کی حیثیت سے اس پر نسیان اور سرکشی کے عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔ نسیان اس داعیہ پر مثبت اور منفی ہر دو طرف کام کرتا ہے۔ مثبت جانب یہ اس جزو کو اجزائے شعور میں مغلوب نہیں ہونے دیتا اور منفی صورت میں شعور میں اس کا دھیان صرف خاص واقعات کے رونما ہونے پر ہی آتا ہے اور کچھ دیر بعد محو ہو جاتا ہے، مثلاً کسی کو اپنے سامنے مرتے اور دفن ہوتے دیکھنا۔ سرکشی اس جزو پر زیادہ موثر عمل کرتی ہے۔ سرکش طبیعتیں اس تصور کو ہمہ وقت جملہ اجزا پر غالب کیے رکھتے ہیں، جس سے مجموعی طور پر انسان صالح رہتا ہے، جب کہ منفی جانب سرکشی انسان کو غافل، ہٹ دھرم اور معصیات پر بار بار اصرار کرنے والا بنا دیتی ہے اور ساتھ ہی صالحیت کا مادہ دبا دیتی ہے۔ یوں اس جزو سے کئی شخصیات کے طبائع اور مزاج ترکیب پاتے ہیں۔

آزاد اور ذمہ دار شخصیت

---

[17] تفصیل کے لیے "فیوض الحرمین" مشاہدہ نمبر 7 ملاحظہ کریں۔

[18] المومنون 23: 99،100۔

[19] الواقعہ 56: 59-61۔

[20] بنی اسرائیل 17: 13،14۔

[21] القیامۃ 75: 36-40۔

گلا جزوِ شعور "آزاد اور ذمہ دار شخصیت" ہے۔ یہ شعور کی فعالیت میں نسیان و سرکشی کے مثبت اور منفی عمل کی صورت میں انفرادیت اور خود انحصاری والا عمل ظاہر کرتے ہیں۔ اجزائے شعور میں سے آخری دو اجزا اپنی فعالیت کی وجہ سے اہم ترین ہیں۔ عام طور پر پہلے آٹھ اجزا اپنے اپنے دائرۂ کار میں کام کرتے ہیں اور بہت کم ایسی کیفیات ہوتی ہیں کہ یہ باہم ایک دوسرے کے حدود میں داخل ہوں اور دوسرے کے وظیفہ کو متاثر کریں۔ ایسا اکثر ہیجانی کیفیات میں ہوا کرتا ہے جو عارضی ہوتی ہیں اس وجہ سے اس کے اثرات بھی عارضی ہوتے ہیں۔ اس کی دوسری وجہ غصہ ہے جس میں ایک حد کے بعد شعور کا وظیفہ من حیث الکل معطل ہو جاتا ہے اور ہیجان شعور کی جگہ فیصلہ ساز قوت بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شدید غصے میں کہے گئے بعض الفاظ اور فیصلہ جات شعور کی کیفیت واپس فعال ہونے پر باعث شرمندگی ہوتے ہیں۔ شعور کی ساری ورکنگ میں یہ دو اجزا (نسیان اور سرکشی) ایسے ہیں جو دیگر اجزا کے دائرہ ہائے کار میں بار بار اور مختلف انداز و کیفیات سے مداخلت کرتے ہیں۔ ان دو اجزا کا اپنا کوئی دائرۂ کار نہیں ہوتا جس میں یہ عمل کریں، بلکہ ان کی وضع ہی اس طور پر ہوئی ہوتی ہے کہ یہ دیگر اجزا کی حقیقی فعالیت کو متاثر کریں۔ ہر جزو پر ان دو اجزا کے مثبت اور منفی اثرات کو ہم نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

قرآن کا دو اجزا پر زور

جب ہم قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ایک عجیب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ قرآن زیر بحث تو تمام اجزائے شعور کو لاتا ہے، مگر سارا زور ان دو اجزا کے بیان اور ان کے ضبط پر رکھتا ہے۔ بیان سے مقصود ان اجزا کی ماہیت اور نوعیت کی کامل معرفت ہے اور ضبط و کنٹرول کے لیے ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن کا کہنا ہے کہ پہلے ان دو اجزا کی حقیقت اور ماہیت میں پوشیدہ شر کو جانو اور پھر اس کو قیود اور حدود میں رکھنے کا لائحہ عمل اور ضابطہ اپناؤ۔ قرآن مجید نے نسیان کو اور اس کے عمل کو کئی آیات میں بیان کیا ہے: (اے حبیبِ مکرّم!) ہم آپ کو خود (ایسا) پڑھائیں گے کہ آپ (کبھی) نہیں بھولیں گے[22]؛ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ میری بھول پر میری گرفت نہ کریں اور میرے (اس) معاملہ میں مجھے زیادہ مشکل میں نہ ڈالیں[23]؛ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھلا بیٹھے پھر اللہ نے اُن کی جانوں کو ہی اُن سے بھلا دیا (کہ وہ اپنی جانوں کے لیے ہی کچھ بھلائی آگے بھیج دیتے)، وہی لوگ نافرمان ہیں[24]؛ (خادم نے) کہا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں (وہاں) مچھلی بھول گیا تھا، اور مجھے یہ کسی نے نہیں بھلایا سوائے شیطان کے کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں، اور اس (مچھلی) نے تو (زندہ ہو کر) دریا میں عجیب طریقہ سے اپنا راستہ بنا

---

[22] اعلیٰ: 6۔

[23] الکہف18: 73۔

[24] الحشر59: 19۔

لیا تھا (اور وہ غائب ہو گئی تھی) [25] ؛اور در حقیقت ہم نے اس سے (بہت) پہلے آدم کو تاکیدی حکم فرمایا تھا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں بالکل (نافرمانی کا کوئی) ارادہ نہیں پایا (یہ محض ایک بھول تھی) [26] ؛اُن پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے سو اُس نے انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے، یہی لوگ شیطان کا لشکر ہیں۔ جان لو کہ بے شک شیطانی گروہ کے لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ [27]

ہم نے پہلے آٹھ اجزا میں نسیان کی موثریت کو جتنے پہلوؤں سے بیان کیا ہے, مذکورہ آیات پر غور کیا جائے تو ہر آیت میں ایک یا ایک سے زائد اثر کو بیان کیا گیا ہے۔ گویا نسیان کے دیگر اجز اتے شعور پر اثر انداز ہونے کے فلسفے پر قرآن نے مہر تصدیق ثبت کر دی۔ ان آیات میں بعض میں نسیان کے وہ اضافی اثرات بھی بیان ہوئے ہیں جو اوپر بیان نہیں کیے گئے۔ نسیان کی اس اہمیت اور موثریت کی بنا پر قرآن مجید نے جہاں جابجا اس کے اثرات کو بیان کیا وہیں اس کے علاج کو بھی کئی مقامات پر بیان کیا۔ قرآن کا پہلے اتنی تفصیل سے نسیان کو زیر بحث لانا اور پھر تفصیل سے اس کے علاج پر بات کرنا اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن انسان کے جس پہلو کو مخاطب کرتا اور حکم لگاتا ہے، وہ جہتِ شعور ہی ہے اور نسیان شعور کو اس کی کامل فعالیت سے گریز پر آمادہ کرتا ہے۔ جس سے پورا شعوری عمل متاثر ہوتا ہے اور نتیجے کے طور پر قرآنی حکم کی معنویت اور قبولیت کماحقہ نہیں رہتی۔ نسیان پر کنٹرول کرنے کا قرآنی لائحہ عمل یہ ہے۔ موسیٰ (علیہ السلا) نے کہا: یہی وہ (مقام) ہے ہم جسے تلاش کر رہے تھے، پس دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر (وہی راستہ) تلاش کرتے ہوئے (اسی مقام پر) واپس پلٹ آئے [28] ؛اے ایمان والو! تم اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ اور صبح و شام اسکی تسبیح کیا کرو۔ [29]

مذکورہ آیات میں سے ہر آیت میں نسیان کے مختلف اثر کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔ صاحب فہم شخص جب نسیان کی نوعیت اور مذکورہ علاج پر ذرا غور کرتا ہے تو اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ کس نسیان کا کونسا علاج ہے! نسیان کے حوالے سے قرآن مجید کا ایک اور انداز بھی اپنی نوعیت میں پہلے انداز کی نسبت زیادہ موضوع پر مرتکز ہے۔ عربی کا معروف معقولہ ہے کہ **تعرف الاشیاء باضدادھا**۔ قرآن نے اسی اصول کو اپنایا اور نسیان کی ضد تذکر اور ذکر کو قرار دیا۔ نسیان کے عمومی اور خصوصی اثرات سے بچنے کے لئے ایک مستقل وظیفہ کے طور پر ذکر کا حکم دیا۔ ایسی تمام آیات اکٹھی کی جائیں تو فہرست آیات بہت طویل ہو جائے گی۔ اس ضمن میں چند خاص آیات یہ ہیں: (اے لوگو!) تم اس (قرآن) کی پیروی

[25] الکہف18: 63۔

[26] طٰہٰ20: 115۔

[27] مجادلۃ58: 19۔

[28] الکہف18: 64۔

[29] الاحزاب33: 41،42۔

کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اور اس کے غیروں میں سے (باطل حاکموں اور) دوستوں کے پیچھے مت چلو، تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو[30]؛ یہ (قرآن) لوگوں کے لیے کاملاً پیغام کا پہنچا دینا ہے، تاکہ انہیں اس کے ذریعہ ڈرایا جائے اور یہ کہ وہ خوب جان لیں کہ بس وہی (اللہ) معبود یکتا ہے اور یہ کہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں[31]؛ بس ہم نے آپ ہی کی زبان میں اس (قرآن) کو آسان کر دیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں[32]؛ اور آپ نصیحت کرتے رہیں کہ بے شک نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے[33]؛ پس آپ نصیحت فرماتے رہیئے، آپ تو نصیحت ہی فرمانے والے ہیں۔[34] ان آیات اور چند دیگر آیات میں چند اصطلاحات مثلاً تذکیر و تذکر بار بار آئی ہیں جو وضع ہی ردِ نسیان کے لئے کی گئی ہیں۔

سرکشی

اجزائے شعور میں آخری اور اہم ترین جزو "سرکشی" ہے۔ اس کی تخلیق میں شر اور عجلت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ محض شر اتنا نقصان نہیں دے سکتا، اگر شعوری کیفیت بحال ہو تو، مگر اس میں عجلت کا عنصر داخل کرکے شر کی فعالیت کو کئی گنا بڑھا دیا گیا ہے۔ محرکِ سرکشی کا اظہار دوسروں کے ساتھ انسان کے ظالمانہ رویے اور پس پشت دوسروں کو نقصان پہنچانے جیسے مقاصد سے ہوتا ہے۔ شعور کی ساری حرکت پر اس جزو کا سب سے گہرا اثر ہوتا ہے۔ یہ جزو دیگر اجزا کے دائرہائے کار میں بار بار اور مختلف انداز سے دخل اندازی کرتا ہے۔ جس سے شعوری کیفیت اپنی حقیقی معنویت کھو کر عارضی اور ہیجانی تصور کو کُلی اور مطلق سمجھنے لگتی ہے۔ اس کے اندر ایک اور ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے کسی جزو میں نہیں۔ وہ خصوصیت یہ کہ اس کو جتنا حرکت میں لایا جائے یہ قوی سے قوی تر ہوتی جاتی ہے۔ اس کو بر وقت کنٹرول نہ کرنا دراصل سارے شعور کی تباہی کے مترادف ہے۔ امام غزالی ضبط نفس کی بحث میں ایک تمثیل پیش کرتے ہیں جس کو یہاں بیان کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ خواہش نفس ایک پودا ہے اور اس کی خواہش کو پوری کرکے تسکین حاصل کرنا اس پودے کو پانی دینا اور گوڈی آنا ہے۔ جب کہ ضبط نفس یہ ہے کہ اس پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ وقت گزرتا جاتا ہے اور انسان ہر روز سوچتا ہے کہ بس اس پودے کو اکھاڑ دینا ہے، مگر ہر بار عمل اس کو پانی دینے اور گوڈی کرنے کا کام کرتا ہے۔ یوں وقت کے ساتھ ساتھ انسان بوڑھا ہوتا جاتا ہے اور اس کے اعضا کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور دوسری طرف پودا مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جا رہا ہوتا ہے اور تناور درخت بن چکا ہوتا

---

[30] الاعراف 7: 3۔

[31] ابراہیم 14: 52۔

[32] الدخان 44: 58۔

[33] الذاریات 51: 55۔

[34] الغاشیۃ 88: 21۔

ہے۔اب اس کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے پیوست ہیں۔اب زندگی میں ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اگر انسان واقعی اس پودے کو اکھاڑنا چاہیے تو نہیں اکھاڑ سکتا، کیونکہ جسم، فکر، ذہن، شعور اور خیالات، ہر جگہ اس کی جڑیں پیوست ہو چکی ہیں اور انسان کے قویٰ کمزور ہو چکے ہیں۔ بالکل یہی معاملہ محرک سرکشی کا ہے۔خودی کی تباہی میں یہ بڑھ بڑھ کر اپنی خدمات دیتا ہے۔اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے اس کو خاص موضوع بنایا ہے: پھر شیطان نے انھیں اس جگہ سے ہلا دیا اور انہیں اس (راحت کے) مقام سے جہاں وہ تھے الگ کر دیا، اور (بالآخر) ہم نے حکم دیا کہ تم نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔اب تمہارے لیے زمین میں ہی معیّنہ مدت تک جائے قرار ہے اور نفع اٹھانا مقدّر کر دیا گیا ہے[35]؛ارشاد ہوا: تم یہاں سے سب کے سب اتر جاؤ، تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے، پھر جب میری جانب سے تمہارے پاس کوئی ہدایت (وحی) آجائے، سو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بدنصیب ہوگا[36]؛اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، انہوں نے عرض کیا: کیا تُو زمین میں کسی ایسے شخص کو (نائب) بنائے گا جو اس میں فساد انگیزی کرے گا اور خونریزی کرے گا؟ حالاں کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور (ہمہ وقت) پاکیزگی بیان کرتے ہیں، (اللہ نے) فرمایا: میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے[37]؛ (اے نبی مکرم!) آپ ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کی خبر سنائیں جو بالکل سچی ہے جب دونوں نے (اللہ کے حضور ایک ایک) قربانی پیش کی سو ان میں سے ایک (ہابیل) کی قبول کر لی گئی اور دوسرے (قابیل) سے قبول نہ کی گئی تو اس (قابیل) نے (ہابیل سے حسداً وانتقاماً) کہا: میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا اس (ہابیل) نے (جواباً) کہا: بے شک اللہ پرہیزگاروں سے ہی (نیاز) قبول فرماتا ہے۔اگر تو اپنا ہاتھ مجھے قتل کرنے کے لیے میری طرف بڑھائے گا (تو پھر بھی) میں اپنا ہاتھ تجھے قتل کرنے کے لیے تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کیوں کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔میں چاہتا ہوں (کہ مجھ سے کوئی زیادتی نہ ہو اور) میرا گناہِ (قتل) اور تیرا اپنا (سابقہ) گناہ (جس کے باعث تیری قربانی نامنظور ہوئی سب) تو ہی حاصل کر لے پھر تو اہلِ جہنم میں سے ہو جائے گا اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔پھر اس (قابیل) کے نفس نے اس کے لیے اپنے بھائی (ہابیل) کا قتل آسان (اور مرغوب) کر دکھایا۔سو اس نے اس کو قتل کر دیا۔پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔[38]

---

[35] البقرۃ2: 36۔

[36] طٰہٰ20: 123۔

[37] البقرۃ2: 30۔

[38] المائدہ5: 27-30۔

قرآن مجید نے سرکشی کے جزو کو قابو اور حدود و قیود میں رکھنے کے لئے درج ذیل لائحہ عمل تجویز کیا ہے: اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں (اپنے اوپر) حرام مت ٹھہراؤ اور نہ (ہی) حد سے بڑھو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جو حلال پاکیزہ رزق اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو[39]؛ اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو جو (عمرِ نکاح کے باوجود) بغیر ازدواجی زندگی کے (رہ رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا بھی (نکاح کر دیا کرو) [40]؛ اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بے شک اس (نظامِ تخلیق) میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں[41]؛ اور ایسے لوگوں کو پاک دامنی اختیار کرنا چاہیے جو نکاح (کی استطاعت) نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے[42]؛ اور آپ مومن عورتوں سے فرما دیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے (اسی حصہ) کے جو اس میں سے خود ظاہر ہوتا ہے اور وہ اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹے (اور چادریں) اپنے گریبانوں اور سینوں پر (بھی) ڈالے رہا کریں اور وہ اپنے بناؤ سنگھار کو (کسی پر) ظاہر نہ کیا کریں[43]؛ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں (اپنے اوپر) حرام مت ٹھہراؤ اور نہ (ہی) حد سے بڑھو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا[44]؛ پھر جس شخص نے سرکشی کی ہو گی۔ اور دنیاوی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی ہو گی تو بے شک دوزخ ہی (اُس کا) ٹھکانا ہوگا۔ اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اُس نے (اپنے) نفس کو (بری) خواہشات و شہوات سے باز رکھا۔ تو بے شک جنت ہی (اُس کا) ٹھکانا ہوگا[45]؛ لوگوں کے لیے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے، اور

---

[39] المائدہ5: 87، 88۔

[40] النور24: 32۔

[41] الروم30: 21۔

[42] النور24: 33۔

[43] النور30: 31۔

[44] المائدہ5: 87۔

[45] النازعات79: 37- 41۔

اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے[46]؛اور دنیوی زندگی (کی عیش و عشرت) کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ہی ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا تم (یہ حقیقت) نہیں سمجھتے۔[47]

ان اصولوں اور ضوابط کے مطابق اگر محرکِ سرکشی کی مسلسل تربیت کی جائے تو یہ داعیہ بلا شبہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ نسیان اور سرکشی کے اجزا اور ان کے اثرات جب (مذکورہ مجوزہ قرآنی لائحہ عمل پر عمل کرنے کی صورت میں) مغلوب ہو جاتے ہیں تو نتیجتاً باقی آٹھ خوب پروان چڑھتے ہیں اور انھی سے شعور کا بڑا حصہ تشکیل پاتا ہے اور بہت سے شعوری عوامل انھی کے تحت پروان چڑھتے ہیں اور ایک ذمہ دار، خوددار، معتدل، جوابدہ، امین اور جہدِ مسلسل کرنے والی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ پھر انھی صفات کا غلبہ جب شعور پر ہوتا ہے، تو اس کا پرتو شخصیت پر بھی پڑتا ہے۔ شعور جب اس کامل سطح پر پہنچتا ہے تو ایک نہ قابلِ تجزی کل کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، یہی کل جب ایک قوت بن کر ابھرتا ہے تو جو چیز سامنے آتی ہے اسے اقبال خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

شعور وہ نعمت ہے جس کی بنیاد پر رفع درجات بھی حاصل ہوتا ہے، خلافتِ ارضی کی اہلیت بھی۔ کل اجزا جن سے انسانی شعور تشکیل پاتا ہے، دس ہیں: 1۔انفرادیت 2۔خود انحصاری 3۔ کوشش کے بغیر کچھ نہ ملنے کا تصور 4۔برگزیدہ ہستی 5۔خودی (انا) 6۔جبر وقدر کا تصور 7۔حیات بعد الموت کا تصور 8۔آزاد مگر ذمہ دار شخصیت 9۔ نسیان 10۔ سرکشی۔ یہ دس اجزا خاص ترکیب پر اور خاص طریقے سے ملتے ہیں تو شعور تشکیل پاتا ہے۔ شعور کے کُل میں یہ اس طرح خلط ملط ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر جزو کی بالقوہ استعداد شعور کے لازمہ کے طور پر موجود رہتی ہے، مگر کسی جزو کا الگ تھلگ اور انفرادی وجود قائم نہیں رہتا۔ شعور کا اس طور تشکیل پانا من حیثیت الکل ودیعت شدہ استعدادِ نفسی و قلبی اور عناصر اربعہ کی خاص ترکیب کے مطابق ہوتا ہے۔ عناصرِ اربعہ کی ترکیب مزاج کے اختلافات متعین کرتی ہے، جب کہ شعوری سطح کے اختلافات یا ارتفاعات بھی اسی کی مطابقت سے ترتیب پاتے ہیں۔ اصولی طور پر یوں سمجھ لینا چاہیے کہ عناصر اربعہ (آگ، پانی، مٹی، ہوا) جن سے انسانی جسم تشکیل پاتا ہے، شعور جو اجزائے عشرہ سے تشکیل پاتا ہے، اور روح جو اجزائے ثلاثہ سے تشکیل پاتی ہے، انسان کی شخصیت کے جملہ میلانات اور رجحانات کو متعین کرنے میں فیصلہ ساز قوتیں ہیں۔ انھی تین کی حقیقت کے پردے میں تمام حقائقِ نفسی، روحی، شعوری اور عقلی موجود ہیں۔ یہ تمام اجزا مل کر جب کُل کی شکل اختیار کرتے ہیں تو آفاقی قانونِ حرکت کے تحت یہ کُل حرکت کرتا ہے اور مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم ہوتا ہے، کیونکہ یہی حرکت اور مقاصد کا حصول، مسائل کی تفہیم و تمیز ہی اس کی وجہِ تشکیل بنتی ہے۔ یہ کُل ایک شعوری قوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور شخصیت کی ساخت پرداخت کی درستی اور افکار و نظریات کی نوک پلک سنوارنے

---

[46] آل عمران 3: 14، 15۔

[47] الانعام 6: 32۔

میں فیصلہ ساز حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ تشکیل شدہ یہی شعور شخصیت ترتیب دیتا ہے، مزاج متعین کرتا ہے، میلانات طے کرتا ہے، رجحانات تخلیق کرتا ہے۔ طبقات العباد کی اصولی تقسیم یہاں سے ہونا قرار پاتی ہے۔یہی شعور جب تمام مدارج و منازل طے کرکے مصفٰی و منزہ ہو جائے تو خودی کی تشکیل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔اس کی انتہائی صورت "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے" کی صورت میں متشکل ہوتی ہے۔شعوری ُکل کا ہر جز کم یا زیادہ اپنا اثر رکھتا ہے, اور آخری دو اجزا (نسیان اور سر کشی) پہلے آٹھوں پر مختلف انداز اور کیفیات میں اثر انداز ہوتے ہیں۔